اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

ڈرِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دُور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار ...یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط:6
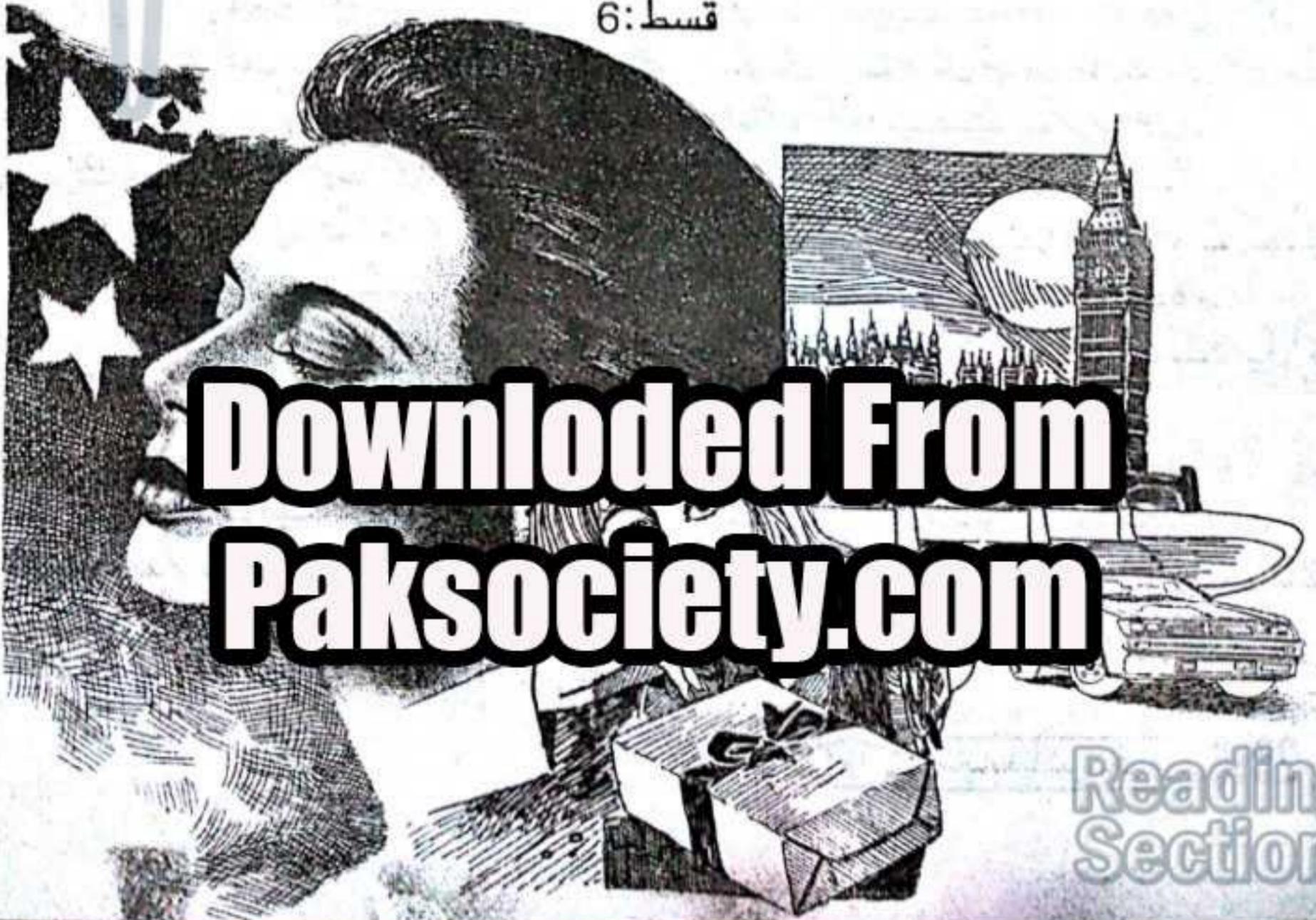
مناب کے گھر پہنچتے ہی...... ایشال اور عنایہ...... نور بیگم کے ساتھ ''کاشانہ عمر'' دوڑی چلی آئی تھیں۔ ان تینوں کزنز میں پیار بھی بہت تھا۔ ان تینوں کو اکثر لوگ بہنیں ہی سمجھتے تھے۔
ساجدہ بیگم کی خوشی بھی دیدنی تھی...... وہ پھولے نہیں سما رہی تھیں...... اور خلافِ معمول آج ڈاکٹر عمر بھی شام کو دوبارہ اسپتال نہیں گئے تھے...... ایشال اور عنایہ جب گھر کے اندر داخل ہوئیں تو ڈاکٹر عمر لابی میں ٹہلتے ہوئے سیل فون پر کسی سے نہایت خوشگوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف دکھائی دیے۔
ایشال نے انہیں بہت عرصے بعد یوں مسکراتے ہوئے دیکھا۔
''عینی تمہیں یاد ہے آخری بار عمر بھائی کتنا عرصہ پہلے مسکرائے تھے؟'' اس نے عنایہ سے سرگوشی کی۔
''بکواس نہیں کرو...... سن لیں گے عمر بھائی۔'' عنایہ نے اسے ٹوکا۔
''ہاں یاد آیا...... آخری بار میں نے انہیں مناب کی انگیجمنٹ پر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔'' اسے یاد آ گیا تھا۔
''اسٹاپ اٹ ایشو......'' عنایہ نے اسے گھورا تو وہ خاموش ہوگئی۔
کاشانہ عمر میں ان کے لیے پُرتکلف چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ رضیہ ان سب کو چائے سرو کر رہی تھی...... نور بیگم اور ساجدہ اکٹھے بیٹھی تھیں۔ جبکہ مناب کے دائیں، بائیں ایشال اور عنایہ بیٹھی تھیں اور خوشگوار موڈ میں ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔
مناب لندن میں گزرے لمحات اور پھر فاریہ کے ساتھ گزرا ہوا اچھا وقت ان سے شیئر کر رہی تھی...... اچانک مناب کو جیسے کچھ یاد آیا تھا اور وہ بات کرتے ہوئے ہنس پڑی۔
''کیا ہوا، تم فاریہ کے بارے میں بتاتے ہوئی ہنسی کیوں؟'' عنایہ کو تجسس ہوا۔
''پتا ہے اقصم نے فاریہ کا نک نیم ''چیکو'' رکھا ہوا ہے۔''
''کیوں......؟'' وہ دونوں حیران ہوئیں۔
''موصوف کو لگتا ہے فاریہ اسے دیکھتے ہی اسے امپریس کرنے کی کوشش کرتی ہے۔'' مناب نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔
''اونہیں...... بڑا آیا پرنس چارمنگ...... اپنے بارے میں اقصم کو ہمیشہ سے بڑی خوش فہمی رہتی ہے کہ موصوف پہ لڑکیاں بڑی فدا ہوتی ہیں۔'' ایشال کی دلچسپ رائے پر سبھی مسکرا دیے۔
''خوش فہمی نہیں ہے ایشو...... یہ حقیقت ہے میرے بھتیجے تو شہزادے ہیں......'' ساجدہ بیگم کے انداز میں زارون اور اقصم کے لیے پیار اور تفاخر تھا۔
''اور پھر پھپو اپنی بھتیجیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' ایشال کو اپنی فکر لاحق ہوئی۔
''میری بھتیجیاں تو پرستان کی پریوں جیسی خوب صورت ہیں...... ماشاء اللہ۔''
ان کی تعریف پر عنایہ نے ایشال کو دیکھا۔
''ہوگئیں تم پھپو کی بٹرنگ (مسکا پالش) سے خوش......؟''
''ارے بھئی یہ بٹرنگ نہیں ہے۔'' ساجدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے چائے کی خالی پیالی ٹیبل پر رکھی۔ ''یہ سچ ہے۔''
''دیکھا...... میری پھپو کتنی اچھی، کتنی نائس ہیں۔'' ایشال نے خوشی سے اظہار کیا۔
''کون nice ہے؟ کس کی تعریف ہو رہی ہے؟'' ڈاکٹر عمر بڑے خوشگوار موڈ میں لونگ روم

میں داخل ہوئے انہوں نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ جس کی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے وہ قریبی صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

''ایکچوئیلی ایشو آپ کی بہت تعریف کر رہی تھی عمر بھائی......'' عنایہ نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے جواب دیا۔ مناب مسکرا دی جبکہ ایشال نے عنایہ کو گھور کر دیکھا۔

''میں جانتا ہوں ایشال میری کیا تعریفیں کرتی ہے۔ پچھلے دنوں فون پر علینہ سے جو میری تعریفیں ہو رہی تھیں...... وہ سن چکا ہوں میں......'' بات کرتے ہوئے وہ صرف چند لمحوں کے لیے مسکرائے تھے۔ ایشال سر جھکا گئی تھی...... جبکہ عنایہ اور مناب مسکرانے لگی تھیں۔

''تم ایشال کو چھوڑو...... اپنی سناؤ، شادی کیوں نہیں کرتے؟ آج میں تم سے دو ٹوک بات کرنے آئی ہوں۔'' نور بیگم نے خفگی سے ڈاکٹر عمر کو دیکھا۔

''نانو آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے آپ میرے لیے لڑکی ڈھونڈ چکی ہیں...... اور میں ٹال مٹول کر رہا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

''تم شادی کے لیے ہامی تو بھرو...... لڑکیاں بہت ہیں۔'' نور بیگم نے انہیں تسلی دی۔

''بس اماں یہ مذاق کر رہا ہے...... ایسے ہی مجھے بھی ٹال دیتا ہے...... میں تو تھک گئی ہوں اسے شادی کے لیے مناتے، مناتے......'' ساجدہ بیگم مایوس ہوئیں۔

''عمر میرے بچے اب بس کرو...... تم سے چھوٹے بہن بھائیوں کی شادیاں طے ہو رہی ہیں اور تم ہو کہ شادی کا نام تک نہیں لیتے......؟ میرے بچے میں اپنی زندگی میں تمہارا ہنستا بستا ہوا آباد ہوتا گھر دیکھنا چاہتی ہوں...... اسے میری آخری خواہش سمجھ کر ہی پورا کر دو......'' نور بیگم آبدیدہ ہوئیں۔

''نانو کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر سلامت رکھے...... آپ پلیز آئندہ ایسی بات مت کیجیے گا۔'' ڈاکٹر عمر نے ضعیف سی نور بیگم کو دیکھا جو چھڑی ہاتھ میں پکڑے صوفے پر بیٹھی امید بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''تو پھر وعدہ کرو مجھ سے...... تم اسی سال شادی کرو گے۔'' نور بیگم بھی آج ڈاکٹر عمر سے وعدہ لے کر ہی جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

''نانو آج آپ کو ہو کیا گیا ہے......؟ لگتا ہے مما اور چھٹکی...... (مناب) نے آپ کا اچھا خاصا برین واش کیا ہے۔''

''تم جو مرضی کہہ لو...... میں کچھ نہیں جانتی، مجھ سے عہد کرو کہ تم اسی سال شادی کرو گے......'' نور بیگم کے بچوں جیسے انداز پہ ڈاکٹر عمر ہنس دیے۔

''اب آیا ناں اونٹ پہاڑ تلے...... ہماری مانی ہوتی تو آج اس طرح وعدہ نہ کرنا پڑتا......'' مناب نے انہیں زچ کیا۔

''چھٹکی تم سے تو میں نمٹ لوں گا...... آتے ہی میرے خلاف اعلانِ جنگ کروا دیا۔'' ڈاکٹر عمر کا موڈ خلاف توقع بہت خوشگوار تھا۔ ایشال نے کن انکھیوں سے ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''عمر بھائی دادو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں...... آپ بس جلدی سے اب شادی کر لیں...... ہم سے اب اور انتظار نہیں ہوتا......'' عنایہ نے بھی اپنی رائے دی۔

''چلو جی تمہاری کسر باقی تھی عینی......! ویسے میں تو سمجھتا تھا کہ تمہیں اپنی شادی کے علاوہ دنیا کی کسی چیز

میں دلچسپی ہی نہیں۔'' ڈاکٹر عمر نے اسے چھیڑا۔
''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' عنایہ مسکرائی۔
''ویسے عینی، عمر بھائی جو کہہ رہے ہیں وہ غلط تو نہیں......'' مناب کے شریر انداز پر عنایہ نے مصنوعی غصے سے مناب کے کندھے پر دھپ رسید کی۔
''وعدہ تو بیچ میں ادھورا ہی رہ گیا اماں......'' ساجدہ نے مسکرا کر نور بیگم کو یاد دلایا۔
''ہاں بھئی عمر جلدی سے بتاؤ؟''
''او کے نانو...... کرلوں گا اسی سال شادی...... کوئی اور حکم......؟''
''جیتے رہو خوش رہو، اللہ میرے بچے کو ہمیشہ آباد رکھے......'' نور بیگم نے خوشی سے دعا دی۔
''پھپھو جی مبارک ہو...... مان گئے ہیں عمر بھائی......'' عنایہ، ساجدہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔
''خیر مبارک......'' سب کے چہرے اس وعدے پر خوشی سے دمک اٹھے تھے۔ صرف ایشال تھی جو صرف مسکرانے پر اکتفا کررہی تھی جو کچھ بول نہیں رہی تھی نہ جانے کیوں......؟ تھوڑی دیر کے بعد مناب اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی تھی اور پھر سب کے لیے گفٹس لے کر لونگ روم میں آئی۔
''نانو یہ آپ کے لیے ہے......'' مناب نے لیمب وول کی خوب صورت جرسی نور بیگم کی طرف بڑھائی۔
''ارے میری جان اس کی کیا ضرورت تھی؟'' نور بیگم نے جرسی پکڑتے ہوئے کہا۔
''نانو...... ضرورت تھی ناں...... ایسے مت کہیں۔'' پھر اس نے ایشال اور عنایہ کے گفٹس ان کو تھمائے...... ان دونوں کے لیے خوب صورت برانڈڈ بیگز تھے...... مختلف برانڈ کی نیرو جینز...... کچھ ٹاپ اور سوئٹرز وغیرہ تھے جو عنایہ اور ایشو کو بہت پسند آئے تھے۔
''اتنے سارے گفٹس بانٹے جارہے ہیں، میرا گفٹ کہاں ہے بھئی......؟'' ڈاکٹر عمر نے خوشگوار موڈ میں مطالبہ کیا۔
''بھیا لائی ہوں آپ کا گفٹ بھی...... یہ لیں کیا یاد کریں گے۔'' مناب نے ڈاکٹر عمر کا فیورٹ پرفیوم ان کی طرف بڑھایا۔
''واؤ دیٹس گریٹ، یہ میرا فیورٹ پرفیوم ہے۔'' ڈاکٹر عمر پرفیوم ہاتھ میں لیے بہت خوش ہوئے۔
''اب گفٹ کے بدلے میں، میری فرمائش بھی سن لیں...... اسی سال آپ اس گھر میں میری بھابی لا رہے ہیں اور وعدہ کریں کہ آج آپ نے جو وعدہ کیا ہے وہ آپ پورا کریں گے۔''
''یار یہ کیا آج تم لوگوں نے بھابی...... اور شادی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ بھابی کسی شاپنگ مال سے تھوڑی ملتی ہے اور ویسے بھی کون لڑکی کرے گی مجھ بورنگ شخص سے شادی؟'' ڈاکٹر عمر تو جیسے آج چھٹی کر کے پھنس گئے تھے...... اب وہ زچ ہو رہے تھے۔
''کیوں بھئی کیا کمی ہے میرے بیٹے میں؟ تم ہامی بھرو...... میں لائن لگا دوں لڑکیوں کی۔'' ساجدہ بیگم کی بات پر ڈاکٹر عمر مسکرا دیے۔
''مائیں اپنے بچوں کے معاملے میں کتنی ایموشنل ہوتی ہیں۔''
''ہاں تو کیوں نہ ہوں مما ایموشنل......؟ میرے بھیا میں آخر کس چیز کی کمی ہے؟'' مناب نے پُرجوش انداز میں اظہار کیا۔
''ڈونٹ وری عمر بھائی، لڑکیوں کی ہم لائن تو لگا دیں گے مگر مجھے بس ایک ہی چیز کا خدشہ ہے۔'' عنایہ نے

مسکراہٹ چھپائی۔
''کیسا خدشہ......؟'' ڈاکٹر عمر حیران ہوئے۔
''کہیں آپ کی ایج کا ایشو نہ بن جائے......'' عنایہ کے چھیڑنے پر ڈاکٹر عمر کھسیا کر ہنس دیے۔
''مجھے لگتا ہے آج میں نے اسپتال سے چھٹی کر کے غلطی کر دی ہے۔''
''ارے تم دونوں کیوں تنگ کر رہی ہو میرے بچے کو...... اب ایسی زیادہ عمر بھی نہیں ہوئی میرے بچے کی۔'' نور بیگم نے مداخلت کی۔
''نا نو آپ کے یہ بچے چار سال کے بعد چالیس سال کے ہو جائیں گے۔ اگر یہ اسی طرح چپ سادھ کر بیٹھے رہے تو عنقریب ان کے لیے لڑکیوں کا کال پڑ جائے گا۔'' عنایہ ہنوز ڈاکٹر عمر کو چھیڑ رہی تھی۔
''تم میری فکر مت کرو...... اور اپنے مجنوں کا انتظار کرو...... اگلے مہینے آرہا ہے وہ...... ابھی آپ ان لیلیٰ، مجنوں کی شادی کو ڈسکس کریں...... اور مجھے ان چکروں میں نہ ہی الجھائیں تو بہتر ہے۔'' ڈاکٹر عمر اٹھ کھڑے ہوئے۔
''لو جی یہ پھر جان چھڑا رہا ہے۔'' نور بیگم حیران ہوئیں۔
''نا نو اب بھیا جو مرضی کہہ لیں...... اب ہم ان کی جان چھوڑنے والے نہیں۔'' مناب، عنایہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ نور بیگم اور ساجدہ مسکرا دیں۔
''عمر بیٹا کہاں جا رہے ہو......؟'' عمر کو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر ساجدہ بیگم نے پوچھا۔
''مما آپ کی بیٹیاں جو میرے پیچھے پڑ گئی ہیں...... اب جان تو چھڑانی ہے ناں ان جنگلی بلیوں سے......''
ڈاکٹر عمر خلافِ توقع آج نہایت خوشگوار موڈ میں تھے۔
''کہیں باہر مت نکل جانا...... میں کھانا لگواتی ہوں......'' ساجدہ بیگم مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ساتھ ہی نور بیگم بھی عشا کی غرض سے اٹھ گئیں۔
''یار ایشو کیا بات ہے تم بڑی چپ، چپ سی ہو......؟'' مناب نے اپنے قریب خاموش بیٹھی ایشال کو دیکھا...... جو کافی دیر سے سب کی باتیں سن رہی تھی مگر چپ تھی...... بول کچھ نہیں رہی تھی۔
''بس ایسے ہی...... آپ سب کی نوک جھوک سن رہی تھی۔'' ایشال مسکرائی۔
''تمہیں تو پتا ہے...... ایشو کی ویسے بھی عمر بھائی کی موجودگی میں بولتی بند ہو جاتی ہے۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا تو تینوں ہنس دیں مگر ایشال کی ہنسی پھیکی تھی۔

☆☆☆

گلو کی نوکری لگتے ہی جیسے گھر کے تمام مسائل حل ہو گئے تھے...... اس بار مالک مکان کو پہلی بار مہینے کی پندرہ، بیس تاریخ کے بجائے یکم کو ہی کرایہ ادا کر دیا گیا تھا۔
دودھ والے سے بھی اس بار شاکر حسین کو بے عزتی نہیں سہنی پڑی تھی کیونکہ پچھلا بل...... اور موجودہ بل سیما بیگم نے اکٹھے ہی ادا کر دیا تھا۔ اس بار بجلی کا بل دیکھ کر پہلی بار سیما بیگم کا بی پی ہائی نہیں ہوا تھا کیونکہ سیما بیگم کے پاس روپے موجود تھے۔ اور ایسا بھی پہلی بار ہی ہوا تھا کہ گھر میں مہینے بھر کا اکٹھا راشن لایا گیا تھا۔ جو سبزی فروش انہیں ادھار سبزی دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے اپنی ریڑھی آگے بڑھا کر گزر جاتا تھا...... وہ اب روز دروازے پر دستک دے کر خود ان سے سبزی خرید لینے کا مطالبہ کرتا۔
اس چھوٹے سے گھر میں تو جیسے ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ سیما بیگم بہت خوش تھیں انہیں تو ایسا

لگتا جیسے وہ ایک جہنم بھری زندگی سے نکل کر جنت میں آ گئی تھیں۔
گلو کی شاندار نوکری نے سیما بیگم کی محرومیوں کو کسی حد تک دور کر دیا تھا...... گھر میں خوشحالی کیا آئی سب جھگڑے ہی ختم ہو گئے۔ بس ایک شاکر حسین تھے جو گلو کی کمائی کا ایک نوالہ تک نہیں توڑتے۔ اب سیما بیگم کو زارا اور اس کی تینوں بچیاں بوجھ نہیں لگتی تھیں۔
محلے کی جو عورتیں ان کے گھر کی غربت کی وجہ سے کبھی جھانک کر بھی نہیں دیکھتی تھیں۔ اب وہی بہانے، بہانے سے سیما بیگم کے پاس چکر لگایا کرتیں اب تو گھر میں ups بھی لگ گیا تھا۔ سارہ جو ہمیشہ خود سے لاتعلق سی رہتی تھی اب ہمہ وقت خود پر توجہ دیتی تھی اور ہر ہفتے محلے کے پارلر کا چکر ضرور لگاتی۔ اسجد کی محبت نے اس کی بے رنگ زندگی میں خوب صورت رنگ بھر دیے تھے...... وہ اب ہر دوسرے تیسرے دن اسجد سے باہر ملنے لگی تھی۔
اسجد کی محبت کا خمار...... اس کے اندر کے ڈر و خوف اور خدشات کو روز بروز ختم کر رہا تھا...... وہ اس پر اندھا اعتماد کرنے لگی تھی۔ اور وہ اعتماد کیوں نہ کرتی...... وہ اس کا عاشق تھا...... اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا تھا...... اسے آنے والے دنوں کے ایسے سپنے دکھاتا کہ اسے اسجد کے ساتھ پر فخر ہونے لگتا...... وہ جو ہمیشہ سے پڑھاکو لڑکی رہی تھی...... اب وہی سارہ تھی جس کا پڑھائی میں دل نہ لگتا تھا۔
اس کے اندھے عشق نے اسے اتنا نڈر بنا دیا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے جھوٹ بولتی ہوئی گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کالج سے گھنٹوں غائب رہتی۔ اسجد کے ساتھ ٹائم گزارتی اور چھٹی کے وقت واپس آ جاتی۔
دوسری طرف خضر گھر آتا تو سیما بیگم کو اس کی آمد ایک آنکھ نہ بھاتی انہیں اپنی خوب صورت بیٹی کے لیے ایک معمولی تنخواہ لینے والا چار بہنوں کا اکلوتا بھائی کسی صورت مناسب نہ لگتا......
اب بھی سیما بیگم چارپائی پر بیٹھی اپنے سامنے ٹوکری میں انار رکھے...... انار کے دانے نکال رہی تھیں...... زارا کی تینوں بچیاں صحن میں کھیل رہی تھیں۔
زویا اپنی کسی کولیگ ٹیچر کے گھر گئی تھی...... سارہ پنجرے میں طوطوں کو باجرہ ڈال رہی تھی اور زارا رات کے کھانے میں چکن پلاؤ بنانے کے لیے چاول صاف کر رہی تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، سارہ نے دروازہ کھولا تو خضر اپنی پھٹیچر موٹر سائیکل کے ساتھ داخل ہوا...... اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس میں دو درجن کیلے موجود تھے۔
''السلام علیکم...... کیسی ہیں مامی......؟''
''وعلیکم السلام...... شکر ہے خوش و خرم ہیں...... بس اللہ حاسدوں کے شر سے بچائے۔'' سیما بیگم نے منہ بنایا...... مگر خضر ان کا رویہ نظر انداز کرتا ہوا پاس رکھی چیئر پر آ بیٹھ گیا۔
''ماموں نظر نہیں آ رہے...کہیں گئے ہوئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔
''ہاں بازار تک گئے ہیں، میرا دل چاہ رہا تھا چھوٹے پائے کھانے کو...... وہ لینے گئے ہیں۔ تم سناؤ...... کوئی تنخواہ بڑھی تمہاری یا پچھلے پانچ سال سے اسی پندرہ ہزار پر گزارہ کر رہے ہو؟''
''جج...... جی مامی...... اب تو اٹھارہ ہزار ہو چکی ہے میری تنخواہ......'' خضر گڑبڑا گیا۔ کچھ عرصے سے سیما بیگم کے انداز و اطوار پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ شاید یہ روپے پیسے کا غرور تھا۔
''صرف اٹھارہ ہزار......؟ تین اور بہنیں بیاہنی ہیں تم نے...... پھر اپنی شادی کیسے کرو گے......؟ میری مانو تو کسی دوسرے ملک نکل جاؤ...... ورنہ میری زویا جیسی حسین لڑکی تو تمہاری بیوی بن کر میری طرح ترس، ترس کر

روز جیتے جی مرا کرے گی۔''

''نن نہیں مامی...... آپ ایسا مت سوچیں۔ اللہ اس کے نصیب اگر مجھ سے جوڑے گا تو اس کے نصیب کا رزق بھی تو دے گا ناں مجھے۔''

''بس خضر میاں...... تم بھی شاکر صاحب کے بھانجے ہو آخر خون کا کچھ تو اثر ہوگا ناں...... تمہارے ماموں بھی ہمیشہ اسی طرح کتابی باتیں ہی کرتے رہے...... میری تو ساری جوانی محرومیوں میں گزر گئی۔ اب پچھلی عمر میں گلو کی نوکری لگنے سے سکھ نصیب ہوا ہے...... میں تمہیں کھل کر بتا دوں...... اپنا مستقبل بناؤ...... ورنہ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ پندرہ بیس ہزار جیسی معمولی تنخواہ لینے والے ملازم کے ہاتھ میں نہیں دوں گی۔ بھئی جس پہ ذمے داریوں کا اتنا بوجھ ہو وہ میری بیٹی کو خوش کیسے رکھے گا؟ میں ایک اور سیما بیگم کو جنم نہیں لینے دوں گی سمجھے تم؟'' خضر کے ساتھ، ساتھ سارہ اور رزارا بھی سیما بیگم کی گفتگو سن کر حیران رہ گئی تھیں۔

''مامی یہ...... یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ زویا میری بچپن کی منگیتر ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں...... جب زویا مجھ سے کسی بھی قسم کی ڈیمانڈ نہیں کرتی تو پھر یہ...... یہ باتیں بے معنی ہیں، ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' خضر ورطۂ حیرت میں تھا...... اور اسی حیرانی کے عالم میں ان کی باتوں کے جواب دے رہا تھا۔

''زویا تو ناسمجھ ہے...... پاگل ہے وہ...... زمانے کی سمجھ بوجھ کیا جانے...... اور ویسے بھی خضر میاں...... یہ پیار و محبت صرف افسانوی باتیں ہیں...... عشق، پیٹ کا دوزخ نہیں بھرتا...... تن کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا...... خواہشات کا گلا نہیں گھونٹ سکتا...... جیب خالی ہو تو عشق جھاڑنے کو بھی دل نہیں کرتا...... آج کا دور پیسے کا دور ہے...... محبت کو کون پوچھتا ہے...... رشتے دار تک پیسے والوں کے رشتے دار بننے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور غریب بہن بھائی سے تو کوئی صرف سلام لے کر راضی نہیں ہوتا...... تم محبت کی بات کرتے ہو؟'' انہوں نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ ''بہر حال اگر اپنے مستقبل کو بہتر بنا سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے تو کچھ اور ہی سوچنا پڑے گا۔'' سیما بیگم نے اس کی سماعتوں پر بم گرایا تھا۔

خضر اسی طرح حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا ان کی آخری بات پر ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہاں رکنے کا اب کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ وہ سیما بیگم کی باتوں سے ازحد پریشان ہو گیا تھا۔

''اور ہاں ذرا سنو خضر، یہ کیلے واپس لیتے جاؤ...... ہم نے یہ سستا فروٹ کھانا چھوڑ دیا ہے۔ میرا گلو ہمیں مہنگے سے مہنگا فروٹ کھلاتا ہے...... یہ کیلے تم گھر لے جانا...... نگہت کو ویسے بھی کیلے بہت پسند ہیں۔'' سیما بیگم نے نہایت رعونت سے شاپر کی طرف اشارہ کیا۔

خضر مارے شرمندگی کے شاپر اٹھا کر باہر نکل گیا۔

''اماں یہ کس طرح کی باتیں کر رہی تھیں آپ خضر بھائی سے؟'' سارہ کے لہجے میں غصہ تھا۔ ''آپ کو ان کے ساتھ اس طرح کا رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔ زویا آپی انہیں پسند کرتی ہیں اور آپ ان کا رشتہ توڑنے کے درپے ہیں؟'' سارہ کو ماں کی باتوں پر غصے کے ساتھ، ساتھ افسوس بھی ہو رہا تھا۔

''ارے بس کرو بھاڑ میں جائے یہ اور اس کی محبت...... جا...... کچن سے نمک کا ڈبا لے کر آ...... میں ان پر چھڑک دوں پھر سب کھا لینا۔'' سیما بیگم نے انار کے دانے نکال لیے تھے...... اب وہ اٹھ کر ہاتھ دھونے کے لیے واش بیسن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

☆☆☆

موسم بدل گیا تھا برسات کے شروع ہوتے ہی گرمی کا زور بھی قدرے کم ہو گیا تھا۔ رات پچھلے پہر ہونے والی تیز بارش نے ایک خوب صورت صبح کا آغاز بن کر رات کے تاریک دروازے پر دستک دی تھی۔
نہ جانے یہ جگہ کی تبدیلی کا اثر تھا یا کوئی اور وجہ تھی...... ایشال کی آنکھ صبح چھ بجے ہی کھل گئی تھی۔ حالانکہ سنڈے والے دن وہ بھرپور نیند لے کر ہی اٹھا کرتی تھی مناب اور عنایہ بیڈ پر گہری نیند سو رہی تھیں۔ وہ دونوں مناب کی آمد کی وجہ سے پھپو کے گھر ہی رک گئی تھیں، وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے ساجدہ بیگم کے کمرے کا دھیرے سے دروازہ کھولا تو ساجدہ بیگم جائے نماز پر بیٹھی کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔
رات دیر تک جاگنے اور صبح جلدی اٹھ جانے کی وجہ سے ایشال کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ چائے کی شدید طلب اسے کچن میں لے آئی تھی...... فیضو ابھی تک کچن میں نہیں آیا تھا۔ اس نے کیٹل میں پانی ڈال کر چولھے پر رکھا اور کیبنٹ کھول کھول کر ٹی بیگز ڈھونڈنے لگی۔
''ٹی بیگز تیسرے کیبنٹ میں رکھے ہیں۔'' عقب سے ڈاکٹر عمر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔
''یہ اتنی صبح اٹھتے ہیں؟'' ایشال نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔
وہ شلوار قمیص میں ملبوس تھے انہوں نے ٹخنوں سے اوپر شلوار کے پائنچے چڑھا رکھے تھے ان کے سر پر نماز کی ٹوپی تھی۔
''گڈ مارننگ......'' ایشال نے دھیرے سے کہا۔
''ویری گڈ مارننگ......'' ڈاکٹر عمر جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔
''تم چائے بنا رہی ہو؟''
''جی...... اس نے مختصر جواب دے کر ٹی بیگز کا ڈبا نکالا۔

"Really !you will make the tea?"

ڈاکٹر عمر کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔
"I dont know but trying to make it" ایشال نے خفگی سے جواب دیا تھا۔ جسے سن کر ڈاکٹر عمر کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔
''اوہو...... پھر تو یہ آج صبح کی بڑی خبر ہے۔''
ایشال نے ایک نظر ان کی پشت پر ڈالی جو پانی کی بوتل فریج میں سے نکال کر گلاس میں انڈیل رہے تھے۔ اس نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے ابلتا ہوا پانی مگ میں ڈالا۔ ڈاکٹر عمر کی موجودگی اور پھر ان کے تمسخر اڑاتے ہوئے انداز پر اسے اتنا غصہ آ رہا تھا کہ عجلت میں گرم پانی مگ میں ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھ پر گر گیا تھا۔ ایک چیخ کے ساتھ دوسرے ہاتھ میں پکڑی کیٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گری...... وہ زندگی میں پہلی بار چائے بنانے لگی تھی اور ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔ اس اچانک افتاد پر ڈاکٹر عمر گھبرا کر اس کی طرف لپکے وہ اپنا ہاتھ پکڑے رو رہی تھی۔
''اسٹوپڈ ہو تم...... جو کام تمہیں سرے سے آتا ہی نہیں وہ کام تم کرتی ہی کیوں ہو؟'' ڈاکٹر عمر ٹیبل پر رکھی ٹھنڈے پانی کی بوتل عجلت میں اٹھا کر لائے اور ایشال کا بازو پکڑ کر اسے کچن کے سنک کی طرف لے آئے اور اس کے ہاتھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا جس سے ایشال کو تھوڑا سکون ملا پھر دوڑ کر ٹھنڈے پانی کی دوسری بوتل فریج سے نکال کر لائے اور اسے ایشال کے ہاتھ پر ڈالتے ہوئے پوچھنے لگے۔
''جلن کچھ کم ہوئی؟'' ایشال روتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

''کم آن ایشو...... تم رونا تو بند کرو...... میں فرسٹ ایڈ باکس دیکھتا ہوں...... شاید اس میں کوئی مرہم مل جائے۔'' ڈاکٹر عمر اب اس کا بازو پکڑے ڈائننگ چیئر کی طرف آئے...... چیئر گھسیٹ کر انہوں نے ایشال کو بٹھایا اور خود کچن سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کچن میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک ٹیوب تھی...... وہ ایشال کے قریب دوسری چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئے تھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر ٹیوب سے دوا نکال کر لیپ کرتے ہوئے اسے ڈانٹنے لگے۔

''بائے دا وے تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ کیا تم ساری زندگی اسی طرح الٹے سیدھے کام ہی کرتی رہو گی؟'' وہ اس کے روبرو بیٹھے تھے اس کے قریب اور اس کے بالکل سامنے...... ایشال نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ سر جھکائے، اس کا ہاتھ پکڑے...... اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر دوا لگا رہے تھے ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ ایشال کا جی چاہا کہ وہ ان سے کہے......

''میری پرابلم صرف اور صرف آپ ہیں، آپ کی موجودگی میں ہی مجھ سے سارے کام الٹے سیدھے ہوتے ہیں۔'' مگر وہ خاموش رہی...... آج اسے عمر کی ڈانٹ بری نہیں لگی تھی...... جانے یہ دوا کا اثر تھا یا کچھ...... اور...... ایشال کو درد کم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

''اب کیا فیل کر رہی ہو......؟ جلن کچھ کم ہوئی؟'' ان کے لہجے میں فکر تھی۔

''جی اب بہتر فیل کر رہی ہوں۔''

''او کے تم مما کے روم میں جا کر آرام کرو۔

آدھے گھنٹے کے بعد یہ ٹیوب ایک بار پھر ہاتھ پر لگا لینا...... اور صبح کسی اسکن اسپیشلسٹ کو چیک کروا لینا انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر عمر نے نرم لہجے میں اسے تسلی دی اور اپنی بنائی ہوئی چائے کا مگ ہاتھ میں لیے کچن سے باہر نکل گئے۔

ایشال وہیں ڈائننگ چیئر پر بیٹھی...... دوسرے ہاتھ سے مگ اٹھا کر چائے پینے لگی جو ڈاکٹر عمر نے اس کے لیے بنائی تھی۔

چائے پینے کے بعد جب وہ ساجدہ بیگم کے کمرے میں گئی تو وہ جائے نماز تہ کر رہی تھیں ایشال کے ہاتھ پر لگی ہوئی ٹیوب دیکھ کر وہ پریشانی کے عالم میں اس کی طرف آئیں۔

''ایشو میری بچی...... میری جان یہ...... یہ کیا ہوا ہے تمہارے ہاتھ پر؟'' وہ ازحد پریشان ہوئیں۔

ایشال بیڈ پر بیٹھ گئی...... اس دوران ڈاکٹر عمر ٹراؤزر شرٹ پہنے ان کے کمرے میں داخل ہوئے تھے وہ شاید جوگنگ کے لیے باہر جا رہے تھے۔

''آپ کی بھتیجی کو شوق چڑھا تھا... اپنے لیے چائے بنانے کا بس اپنا ہاتھ جلا بیٹھیں۔'' ڈاکٹر عمر نے بتایا۔

''او گاڈ...... میری جان یہ کیا کر لیا تم نے؟ تمہیں چائے پینی تھی تو مجھے کہہ دیا ہوتا......؟ میں اپنی بیٹی کو بنا دیتی۔'' وہ ازحد پریشان ہو گئی تھیں...... ان کی محبت پر ایشال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... ساجدہ بیگم ایسی ہی تھیں...... محبت سے گندھی ہوئی...... انہوں نے اپنے دونوں بچوں اور ان دونوں بہنوں میں کبھی کوئی فرق نہیں رکھا تھا...... اب وہ ایشال کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے ازحد پریشان ہو رہی تھیں۔

''پھپھو آپ فکر مت کریں...... عمر بھائی نے دوا لگائی ہے، اب بہتر محسوس کر رہی ہوں میں۔'' ایشال نے

انہیں تسلی دی۔
بچپن سے ہی نور منزل میں نوکروں کی فوج نے دونوں بہنوں کو کچن سے ہمیشہ دور ہی رکھا تھا......انہیں جو کھانا ہوتا جو چاہیے ہوتا وہ اپنے روم میں موجود انٹر کام سے بٹلر کو ہدایت کرتیں وہ چیز اُن کے کمرے میں پہنچ جایا کرتی تھی۔ گھر کا کسی بھی طرح کا چھوٹا موٹا کام کرنے کی ان دونوں بہنوں کو عادت ہی نہیں تھی......اور نہ ہی وہ دونوں بہنیں گھریلو امور میں دلچسپی لیتی تھیں جبکہ عمر اور مناب اپنے چھوٹے موٹے کام خود ہی کرلیا کرتے تھے گو کہ ساجدہ بیگم کے گھر میں بھی ملازم ضرور تھے مگر ساجدہ بیگم شروع سے ہی کھانا خود بنایا کرتی تھیں۔ اگلے دو دن وہ اسپتال نہیں گئی تھی۔ شہر کے مشہور اسکن اسپیشلسٹ سے اس کے ہاتھ کا ٹریٹمنٹ ہورہا تھا......اب وہ تقریباً ٹھیک تھی۔
مناب کے آنے کی خوشی میں عنایہ نے مناب، ایشال اور علینہ کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا......وہ چاروں نہایت خوشگوار موڈ میں باتیں کرتی ہوئی اپنے لیے مخصوص کرائی گئی ٹیبل پر آگئی تھیں۔ اس مشہور پوائنٹ پر زیادہ تر ان کی طرح برگر فیملیز کے لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ علینہ اور عنایہ نے جینز کے اوپر سلیولیس ٹاپ پہن رکھے تھے...... مناب نے جدید تراش کا پلازو اور گھٹنوں تک آتا لوز سا کرتہ پہن رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کندھوں پر دوپٹا بھی لے رکھا تھا۔ جبکہ ایشال نے بھی ٹائٹس کے ساتھ لانگ شرٹ پہن رکھی تھی اور اس کے گلے میں بھی دوپٹا نظر آرہا تھا۔
''ایشو میں پچھلے کئی دن سے دیکھ رہی ہوں کپڑوں کے معاملے میں تمہاری چوائس کافی بدل گئی ہے...... یہ دوپٹا وغیرہ گلے میں ڈالنا کب سے شروع کیا تم نے؟'' مناب نے اپنی حیرت کا اظہار کیا......تو علینہ اور عنایہ ہنسنے لگیں۔
''جب سے اس نے عمر بھائی کا اسپتال جوائن کیا ہے تب سے۔'' علینہ کی بات پر مناب حیران ہوئی۔
''میں سمجھاتی ہوں......دراصل ایک دن محترمہ ایشو نیرو جینز کے ساتھ ہاف سلیولیس ٹاپ پہن کر اسپتال چلی گئی تھیں اور پھر پندرہ منٹ کے بعد ہی واپس گھر آگئیں۔ کیونکہ عمر بھائی نے انہیں کھری، کھری سنا کر چینج کرنے کے لیے گھر بھیج دیا تھا۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے مناب کو اطلاع دی تو وہ دھیرے سے مسکرادی مگر بولی کچھ نہیں......مناب جانتی تھی ایشال اور عنایہ کی بہت آزاد ماحول میں پرورش ہوئی تھی کسی بھی معاملے میں کبھی ان پر کوئی روک ٹوک نہیں کی گئی تھی...... بے شک مناب اور ڈاکٹر عمر خود بھی اس کلاس اور ماحول کا حصہ تھے مگر انہوں نے اپنی زندگی کے کچھ اصول وضوابط بنا رکھے تھے عنایہ اور ایشال نے کبھی دوپٹا نہیں لیا تھا مگر مناب لیتی تھی......زارون اور اقصم نے بھی نماز نہیں پڑھی تھی مگر عمر باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔
''ہاں تو قصور بھی تو میرا ہی تھا...... مجھے ایسا ڈریس پہن کر اسپتال جانا نہیں چاہیے تھا۔'' ایشال نے تسلیم کیا۔
''اچھا اس دن تو بڑے غصے میں گھر آئی تھیں۔'' عنایہ کو حیرت ہوئی۔
''کچھ چیزوں کے مطلب انسان کو کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔'' ایشال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''لو جی......مناب مبارک ہو......تمہاری سوچوں کا اثر ایشو پر بھی ہونے لگا ہے۔'' علینہ کی بات پر مناب نے صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔ اسی دوران جو پیزا ان چاروں نے آرڈر کیا تھا وہ آگیا تھا۔ جب وہ وہاں سے نکلیں تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ پارکنگ میں ایشال نے ارسل کو اپنے دوستوں کے ساتھ اسی ریسٹورنٹ

میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ارسل کی بھی اس پر نظر پڑی تھی مگر ارسل کو دیکھتے ہی ایشال کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ شہر کا پوش ایریا تھا۔ ایک وسیع اور عالیشان بنگلے سے ایک قیمتی گاڑی نکلی تو دور کھڑے دو موٹر سائیکل سواروں نے عجلت میں اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے اپنے اور اس گاڑی کے درمیان فاصلے کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

گاڑی ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی اور وہ اکیلی ہی تھی۔

''ارقم اس بڈھی آنٹی کے ٹھاٹھ تو دیکھ ذرا...... چالیس لاکھ کی تو اس کی گاڑی ہو گی، مان گئے بھئی...... پیسہ اور خوشحالی انسان کو ہمیشہ جوان رکھتا ہے، ہمارے طبقے کی مائیں اس عمر میں غربت، تنگ دستی اور پریشانیوں سے ہماری دادی نظر آتی ہیں۔'' کہنے والے نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''بس استاد اس ملک میں زندگی صرف پیسے والوں کی ہے، وہ پیسوں سے ہم جیسے لوگوں کی مجبوریاں بھی خرید لیتے ہیں اور خوشیاں بھی۔'' بائیک چلانے والے لڑکے نے اپنے پیچھے بیٹھے لڑکے سے اظہار کیا۔

''ہاں یہ تو سچ ہے...... اچھا چھوڑ ان باتوں کو...... اب جلدی فاصلہ کم کر اور بائیک تیز چلا...... یہ نہ ہو کہ یہ مچھلی جال میں پھنسنے کے بجائے ہاتھ سے نکل جائے۔'' اور پھر اگلے چند لمحوں میں وہ گاڑی کا راستہ روک چکے تھے۔ بائیک پہ پیچھے بیٹھا نوجوان پھرتی سے نیچے اترا تھا اور پھر اس نے کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹایا عورت کی کمبختی آئی ہوئی تھی جو اس نے شیشہ نیچے کر دیا تھا۔

''جلدی سے اپنا پرس اور موبائل میرے حوالے کرو......'' وہ عورت نہایت خوفزدہ تھی... اس نے حواس باختہ انداز میں انگریزی میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے اپنا پرس اور موبائل کانپتے ہاتھوں سے پستول تانے نوجوان کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''جلدی سے یہ انگوٹھیاں اتارو۔'' اس لڑکے کی نظر اس عورت کی انگوٹھیوں پر بھی پڑی۔

''یہ...... یہ میں تم کو نہیں دے سکتی...... پلیز یہ مت لو۔'' اس عورت نے التجا کی۔

''اے جلدی کر بڑھیا...... ورنہ تجھے تیری گاڑی سمیت ابھی اور اسی وقت یہاں سے اغوا کر لوں گا...... اور پھر تیرے گھر والوں کو ان انگوٹھیوں کے ساتھ تاوان کے طور پر دگنی رقم ادا کرنی پڑے گی ہمیں۔'' پستول تانے لڑکا دہاڑا تو اس کی دھمکی پہ اس عورت نے اپنے ہاتھوں سے دونوں ڈائمنڈ رنگز اتار دیں...... جنہیں جھپٹ کر وہ لڑکا عجلت میں بائیک پہ واپس بیٹھا تھا اور بائیک چلانے والے لڑکے نے بائیک بھگا لی تھی۔

''استاد اس آنٹی کے پاس اتنی قیمتی گاڑی تھی وہ بھی ہتھیا لیتے...... ہمارے چار مہینے آرام سے گزر جانے تھے۔''

بائیک چلاتے نوجوان نے اپنے پیچھے بیٹھے ساتھی سے کہا۔

''ارقم تو ابھی اس کام میں نیا، نیا آیا ہے تو نہیں سمجھے گا...... یہ جو امیر لوگوں کی اتنی مہنگی گاڑیاں ہوتی ہیں ناں...... ان کو سیکیورٹی سسٹم لگا ہوتا ہے...... اناڑی بندہ ان کی گاڑی چوری کر لے تو الٹا پکڑا جاتا ہے...... گاڑی چوری ہونے کی صورت میں یہ امیر لوگ سیکیورٹی والوں کو ایک کال کر دیں تو گاڑی راستے میں ہی جام ہو جاتی ہے۔ سیکیورٹی والوں کو یہ تک علم ہو جاتا ہے کہ گاڑی اس وقت کس علاقے میں کس جگہ پر کھڑی ہے...... اور پھر یہ لوگ...... اس علاقے کے تھانے میں فون کھڑکا کر پولیس والوں سے ریڈ کروا کر گاڑی بازیاب کروا لیتے ہیں۔''

''ارے واہ استاد...... اس کا مطلب ہے یہ امیر لوگ بھی اچھے خاصے استاد ہوتے ہیں۔'' بائیک چلاتا ارقم حیران ہوا۔

''میرے ساتھ رہے گا تو اس کام کی اونچ نیچ بھی سمجھ جائے گا...... پیسہ ہو تو کیا نہیں ہو سکتا ارقم آج کل پیسے کی ویلیو ہے انسان کی نہیں بہر حال چل پہلے اپنے ٹھکانے پہ چلتے ہیں پھر بندو خان سے کھانا کھاتے ہیں۔ آج بڑی مچھلی ہاتھ لگی ہے...... عیاشی تو بنتی ہے ناں بھئی......'' بائیک پہ پیچھے بیٹھے نوجوان نے ارقم کے کندھے پر دھپ رسید کی۔

☆☆☆

زارا کو نواں مہینہ لگ چکا تھا۔ آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو وہ آرام کر رہی تھی...... اور زویا ناشتا بنا رہی تھی۔ سارہ کالج کے لیے تیار ہو رہی تھی...... سیما بیگم پلنگ پر بیٹھی ہاتھوں میں ہزار، ہزار کے نوٹ پکڑے گنتی کرنے میں مصروف تھیں۔ رات ہی گلوان کو چالیس ہزار دے کر گیا تھا...... سیما بیگم کے سامنے کرسی پر بیٹھے شاکر حسین کے چہرے پر پریشانی اور تفکر کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

''ابا ناشتا کر لیں۔'' زویا نے ناشتا بنا کر باپ کے آگے رکھا۔

''اٹھا لو زویا...... ابھی میرا ایمان اتنا کمزور نہیں ہوا کہ میں گلو کی حرام کی کمائی سے پیٹ کی آگ بجھاؤں...... دولت کو اللہ نے قناعت میں چھپا رکھا ہے مگر تمہاری ماں جیسے لوگ اسے عیش و عشرت میں تلاش کرتے ہیں...... اور اپنا سکون، اپنا ایمان بھی کھو بیٹھتے ہیں...... حتیٰ کہ دعا کی قبولیت کو بھی اللہ نے لقمۂ حلال میں چھپا رکھا ہے۔ مگر لوگ اسے حرام ذرائع میں تلاش کرتے ہیں اور پھر ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ زویا بیٹا میں بہت پریشان ہوں اور مجھے اپنی باتوں کے سچ ہونے سے ڈر لگتا ہے۔'' شاکر حسین کے لہجے میں دکھ اور پریشانیاں اور بے بسی پنہاں تھی۔

''ابا دو مہینے ہو گئے ہیں آپ باہر کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح تو آپ بیمار پڑ جائیں گے۔'' زویا کو ان کی فکر ہوئی۔

''زویا بیٹا میری بھوک ویسے بھی مر چکی ہے اب تو زندگی کے چند دن رہ گئے ہیں۔''

''نہیں کھاتے تو نہ کھائیں...... ناشتا اٹھا لو زویا...... تمہارے باپ کو اچھی چیزیں کھانے کی عادت نہیں ہے۔ نہ اچھی زندگی گزاری، نہ اچھی زندگی کی خواہش کی انہوں نے......'' سیما بیگم کے لہجے میں تلخی تھی اور انداز میں بلا کی بے رخی......

زویا نے ناشتا اٹھا لیا اور واپس کچن میں رکھ آئی۔

''ابا مجھے اپنی دوائیوں کی پرچی دے دیجیے گا، میں واپسی پر لے آؤں گی۔'' زویا اسکول جانے لگی تو اس نے باپ سے دوا کی پرچی مانگی۔ جو انہوں نے چپ چاپ لا کر زویا کو تھما دی۔ آج زویا کی تنخواہ ملنی تھی۔ دو مہینے ہو گئے تھے شاکر حسین اپنے کھانے پینے کا تمام خرچ اپنی پنشن سے ہی پورا کر رہے تھے۔ ابھی ان کی پنشن آنے میں دو چار دن باقی تھے اور ان کی شوگر اور بلڈ پریشر کی دوا ختم ہو گئی تھی۔ اور آج تو ان کی طبیعت ویسے بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وقفے، وقفے سے ان کا سر چکرا رہا تھا۔ سیما بیگم نے نوٹ گن کر پرس میں سنبھالے اور پرس اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔

''کیسی ماں ہو تم؟ تمہارا بیٹا آئے دن تمہیں ہزاروں روپے تھما کر چلا جاتا ہے۔ کبھی اس سے یہ بھی پوچھا ہے کہ یہ پیسے وہ کس درخت سے اتارتا ہے؟ کہاں سے لاتا ہے اتنا روپیہ...... مگر تمہاری آنکھوں پر تو گلو نے

دولت کی جھوٹ اور فریب کی پٹی باندھ رکھی ہے مگر میرا ایمان ابھی مرا نہیں ہے، دولت کی لالچ نے میری آنکھوں کو بند نہیں کیا...... آسائشوں نے میرے دماغ کو ماؤف نہیں کیا...... میں آج ہی گلو کے سیٹھ سے ملنے جاؤں گا...... آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔'' شاکر حسین نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''محنت کرتا ہے میرا بیٹا...... کہیں سے چوری کر کے یا ڈاکا ڈال کر نہیں لاتا...... دن رات اس سیٹھ کے ہاں محنت کر کے یہ پیسہ کماتا ہے، آپ کو تو ویسے بھی ہمیں بھوکا مارنے کی عادت ہے۔ ساری زندگی مجھے اور میرے بچوں کو ایک ترستی ہوئی زندگی کے سوا آپ نے دیا ہی کیا ہے؟ اب میرا بیٹا کمانے لگا ہے، میری محرومیاں دور کر رہا ہے تو یہ آپ سے برداشت ہی نہیں ہو رہا......'' پیسے نے سیما بیگم کی آنکھیں بند اور زبان کھول دی تھی۔

''اماں بس کر دیں اب...... گلو کے لیے فکر مند ہونا ابا کا حق ہے، وہ ان کا بیٹا ہے، یہ جاننا ابا کا فرض ہے کہ آخر اتنی بڑی رقم وہ کیسے کماتا ہے کہاں سے لاتا ہے؟'' زویا نے خاموش بیٹھے باپ کی حمایت کی۔

''زویا تو، تو جب بھی بولے گی اپنے باپ کے حق میں ہی بولے گی تجھے تو ویسے بھی گلو سے خدا واسطے کا بیر ہے۔''

''خدا کے لیے اماں...... مت کیا کریں آپ اس طرح کی باتیں...... مجھے بھلا کیا بیر ہوگا گلو سے؟ گلو میرا چھوٹا بھائی ہے اور مجھے اس کی فکر کیوں نہ ہوگی؟'' زویا کو ماں کی بات پر افسوس ہوا تھا۔

''زویا رہنے دو، بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہے...... اس کی عقل میں یہ باتیں نہیں آئیں گی...... جب میں اس دنیا میں نہ رہا تب تیری ماں کو میری باتیں یاد آئیں گی...... تب اس کو ان باتوں کے مطلب سمجھ میں آئیں گے...... آج کل تو اس کا دماغ ویسے بھی ساتویں آسمان پر رہتا ہے...... نگہت اور خضر تک کے ساتھ اس کا رویہ بدلا ہوا ہے۔'' شاکر حسین نے غصے سے بیوی کو دیکھا۔

''اچھا تو لگا دیں شکایتیں آپ کو آپ کی میسنی بہن نے میری......'' سیما بیگم نے تڑخ کر جواب دیا۔
''اس نے کوئی شکایت نہیں لگائی...... میں اندھا نہیں ہوں، خود دیکھ رہا ہوں تمہارے انداز و اطوار......''
''اماں آپ کو نگہت پھپو کے ساتھ اپنا رویہ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... اس دن بھی جب وہ مٹھائی لے کر آئیں تو آپ ان سے ایسی ہی عامیانہ باتیں کرنا شروع ہو گئی تھیں۔'' زویا نے اندر کے شکوے کو اظہار بنایا۔
''میری باتیں تو شروع سے ہی عامیانہ لگتی ہیں...... تم باپ، بٹی نے تو ویسے بھی پی ایچ ڈی کر رکھی ہے...... فلسفہ پڑھ رکھا ہے......'' سیما بیگم غصے میں بولتی اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ زویا نے سر تھام لیا۔
''زویا بیٹا تمہیں اسکول سے دیر ہو رہی ہے...... تمہاری ماں تو الٹے دماغ کی عورت ہے اس کے سامنے سیدھی بات کرنا فضول ہے، پچیس سال سے میں اس کے ساتھ دماغ کھپا رہا ہوں...... یہ نہ بدلی اور نہ بدل سکتی ہے......'' شاکر حسین نے بے بسی سے کہا۔ اس دوران دوسرے کمرے سے سارہ بھی تیار ہو کر آ گئی تھی۔
''زویا آپی مجھے ناشتا بنا دیں...... مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے اس گھر کے بکھیڑے تو زندگی بھر ختم ہونے والے نہیں...... کم از کم یہاں سے نکل کر ذہنی سکون تو ملے گا۔'' سارہ بھی صبح ہی صبح گھر میں شروع ہونے والے ڈرامے سے گھبرا کر زویا سے مخاطب ہوئی تو زویا چپ چاپ اٹھ کر کچن میں آ گئی اور بہن کے لیے ناشتا بنانے لگی۔
زویا آج دل میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ آج وہ ہر حال میں ابا کے ساتھ ڈیفنس میں گلو کے بتائے اس ایڈریس پر ضرور جائے گی جہاں گلو کے مطابق وہ کسی سیٹھ کا ڈرائیور تھا۔

☆☆☆

سارہ کالج آئی تو آدھے گھنٹے کے بعد اسجد کی کال آ گئی...... سارہ کالج آتے ہی موبائل آن کر لیا کرتی تھی، فری پیریڈ میں وہیں موبائل چارج کر لیتی......
''لو جی آ گیا تمہارے اسجد کا فون...... کم از کم ایک گھنٹا تو تم فارغ نہیں ہو گی......'' حنا اس کے ساتھ بیٹھی تھی اسجد کی کال آتی دیکھ کر وہ کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہیلو...... صبح بخیر......'' حنا کے اٹھتے ہی سارہ نے کال پک کی۔
''صبح بخیر کیسی ہو میری جان...... بلکہ جانِ اسجد......'' سارہ مسکرا دی...... اسجد ایسے ہی پیار سے اس سے مخاطب ہوتا تھا۔
''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟''
اسجد نے ایک طویل سانس لی۔
''تمہارے بغیر اداس، پریشان...... اور افسردہ رہتا ہوں اور ویسے بھی ایک عاشق کو اپنی محبوبہ کی جدائی میں یہی چیزیں تو ملتی ہیں...... جو اس کی بھوک کو ختم کر دیتی ہیں، اس کی نیندیں چھین لیتی ہیں اور اس کا سکون لے اڑتی ہیں۔'' اس کے بے ساختہ اظہار پر سارہ کے لبوں پر دھیمی سی خوب صورت مسکراہٹ ٹھہر گئی۔
''آپ بالکل شاعروں والی باتیں کرتے ہیں...... اور ویسے بھی...... ابھی تین دن پہلے ہی تو ہم ملے تھے...... آپ اتنی جلدی میرے لیے اداس بھی ہو گئے......؟''
''ارے پگلی تمہیں کیا معلوم ایک مجنوں کے لیے اپنی لیلیٰ سے جدائی کے یہ تین دن تین صدیوں کے برابر ہوتے ہیں...... محبت میں دلِ ناداں پہ جدائی کا ایک، ایک لمحہ صدیوں کے برابر محسوس ہوتا ہے...... مگر تم کیا جانو

سارہ...... عشق تو میں نے کیا ہے تم سے...... تم نے تھوڑی کیا ہے، مجھ سے؟'' آخری جملہ اس نے سارہ کو چڑانے کے لیے بولا تھا۔

''اچھا تو یہ جو میں آپ سے فون پر اتنی لمبی، لمبی باتیں کرتی ہوں...... اپنے گھر والوں سے اور دنیا والوں سے چھپ، چھپ کر آپ سے باہر ملتی ہوں...... اپنے گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آپ سے اکیلے میں ملتی ہوں...... یہ محبت نہیں ہے تو کیا ہے بھلا......؟'' سارہ نے برا منایا تو دوسری طرف اسجد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''قسم سے میری جان تمہیں چھیڑنے اور چڑانے میں بہت مزہ آتا ہے جواباً تمہارا یہ جلا کٹا اندازِ محبت دیکھ کر...... میرا دل مجھ سے الٹی سیدھی فرمائشیں کرنے لگتا ہے۔'' اسجد نے جذباتی لہجے میں کہا...... تو وہ بلش ہوگئی۔

''اپنے دل کو سمجھائیں کہ یہ الٹی سیدھی فرمائشیں ابھی مت کرے۔'' شرم سے سارہ کا لہجہ دھیما ہوگیا تھا۔

''سمجھا، سمجھا کر تھک گیا ہوں میری جان...... مگر کیا کروں تمہاری طرح ضدی ہوگیا ہے میرا دل...... اب یہ آسانی سے میری بات نہیں مانتا......'' اس کا لہجہ خفگی لیے ہوئے تھا۔

''اچھا......؟ تو میں نے آپ کی کون سی بات نہیں مانی......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''تم جانتی تو ہو...... اب انجان بن رہی ہو...... پرسوں میں تمہیں اپنے گھر لے کر جانا چاہتا تھا، اپنی ماں سے ملوانا چاہتا تھا مگر تم نے انکار کردیا تھا۔'' اسجد نے شکوہ کیا۔

''اسجد اس سے ایک دن پہلے ہی تو ہم باہر ملے تھے...... میں روز، روز آپ سے نہیں مل سکتی...... زویا آپی مجھے آج کل مشکوک نظروں سے دیکھتی ہیں...... کالج سے ذرا دیر ہوجائے تو وہ سو، سو سوال کرتی ہیں مجھ سے...... بلکہ پچھلے دنوں تو وہ کہہ رہی تھیں مجھے تم حنا کے پارلر لے چلو۔'' سارہ اسے تفصیل بتاتے ہوئے خود بھی پریشان ہوئی۔

''میری جان اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے، تم حنا کو ساری بات بتادو...... تاکہ زویا آپی جب بھی حنا سے ملیں تو کم از کم حنا جھوٹ تو ڈھنگ سے بول سکے۔'' اسجد نے اسے مشورہ دیا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

''او کے جانِ اسجد...... اب میں فون رکھ رہا ہوں...... دس بجے تیار رہنا، میں کالج کے گیٹ پر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''مگر اسجد...... یہ...... یہ ممکن...... نہیں ہے، آج کل گیٹ پر کافی سختی ہوگئی ہے۔''

''کوئی اگر مگر نہیں...... میں آج تمہیں اپنی امی سے ملوا کر ہی رہوں گا۔'' اسجد نے حتمی فیصلہ سنایا اور فون بند کردیا۔

☆☆☆

زارون چوہدری کو ملائشیا گئے دو مہینے ہوچکے تھے...... وہاں فیکٹری لگانا اپنے بزنس کی ٹریڈ کو بیرون ملک آگے بڑھانے کا تجربہ نہایت کامیاب رہا تھا...... زارون چوہدری اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے داؤد ٹیکسٹائل کے ساتھ، ساتھ زارون ٹیکسٹائل کو بھی اپنی محنت اور قابلیت سے روز بروز ترقی کے سفر پر گامزن کر رہا تھا، اس کی شخصیت ہی کچھ ایسی سحر انگیز تھی...... جب سے اس نے داؤد چوہدری کا بزنس جوائن کیا تھا...... اس کی اندرون ملک یا بیرون ملک میں کسی بھی بزنس پارٹی سے کی جانے والی میٹنگ ناکام نہیں ہوئی تھی...... وہ مقابل کو بہت جلد قائل کر لینے کا ہنر جانتا تھا اس نے ہارورڈ سے ایم بی اے کیا تھا اور اپنے باپ کے بزنس کو کہاں سے

کہاں پہنچا دیا تھا۔ عنایہ کو اس کی آمد کا شدت سے انتظار تھا...... اس کی اطلاع کے مطابق تو زارون کو چار دن کے بعد ملائشیا سے واپس آنا تھا مگر وہ ماں، باپ کو اعتماد میں لے کر راز داری سے عنایہ کو سرپرائز دینے کے لیے آج ہی دوپہر تین بجے کی فلائٹ سے واپس آرہا تھا۔

داؤد چوہدری نے آفس سے ہی ڈرائیور ائرپورٹ بھیج دیا تھا۔

علامہ اقبال انٹرنیشنل ائرپورٹ سے نکل کر زارون اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا...... راستے میں اس نے فلاور شاپ پر گاڑی رکوا کر عنایہ کے لیے ایک خوب صورت سی بڑے سائز کی فلاور باسکٹ تیار کروائی تھی۔

ڈرائیور نے فلاور باسکٹ گاڑی میں پیچھے بیٹھے زارون کے ساتھ خالی سیٹ پر رکھ دی تھی۔ زارون نے پچھلی سیٹ کی پشت پر سر ٹکا لیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر عنایہ کا ردِعمل کیا اور کیسا ہونے والا تھا؟ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا...... شاید اسی لیے وہ تصور ہی تصور میں وہ منظر دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

زویا آج اسکول سے جلدی گھر آگئی تھی۔ شاکر حسین نے محلے میں کریانے کی دکان والے صاحب سے چند گھنٹوں کے لیے موٹر سائیکل مانگ لی تھی۔ لہٰذا شاکر حسین اور زویا کو گھر سے نکلے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

ڈیفنس کے ایک، ایک بلاک میں انہوں نے گلو کے بتائے فرضی ایڈریس اور اس کے فرضی سیٹھ کے بارے میں پتا کیا تھا...... وہ باپ، بیٹی جس کوٹھی جس بنگلے کے سامنے رکتے وہاں کسی گھر کا گن مین...... کسی کا واچ مین...... اور کسی کا ملازم یالان میں کام کرتا مالی یہی بتاتا کہ یہ ایڈریس غلط ہے اور یہاں کوئی غلام مرتضیٰ نامی سیٹھ نہیں رہتا...... وہ ایک فرضی پتا تھا جو گلو نے کسی سے لکھوا کر تسلی کے لیے شاکر حسین کو تھما دیا تھا۔ وہ از حد مایوس ہوئے تھے...... ان کا شک درست ثابت ہوا تھا ان کا بیٹا گلو یقیناً غلط ہاتھوں میں کسی غلط جگہ پر ناجائز طریقے سے نوٹ کما رہا تھا۔ یہ احساس اتنا ہولناک تھا کہ شاکر حسین کو بڑھاپے میں ذلیل و خوار کر کے مارنے کے لیے کافی تھا...... آج صبح سے ہی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، گلو کے جھوٹ نے رہی سہی کسر بھی نکال دی تھی۔ ان کی شوگر غم سے لو ہو رہی تھی پورا جسم جیسے بے جان ہو رہا تھا اور دماغ میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ہمت جمع کر کے وہ موٹر سائیکل چلا رہے تھے...... زویا باپ کی ذہنی حالت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ جب ہی زویا ان کے پیچھے بائیک پر بیٹھی دھیرے سے بولی۔

''ابا پلیز آپ ٹینشن مت لیں...... یہ ضروری نہیں کہ جو ہم سوچ رہے ہوں وہ سچ بھی ہو...... کیا پتا سیٹھ کا ایڈریس دیتے ہوئے گلو سے کوئی غلطی ہوگئی ہو؟''

''مجھے جھوٹی تسلیاں مت دو زویا...... میں تمہارا ابا ہوں اور مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو...... گلو نے ہم سب سے جھوٹ بولا ہے...... مجھے پہلے ہی شک تھا مگر آج یقین ہوگیا ہے۔ گلو ضرور کسی غلط دھندے میں ملوث ہے۔'' ان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''ایک غلط عورت...... ناشکری عورت...... اللہ پر توکل نہ رکھنے والی عورت...... دولت کے لالچ میں اندھی ہو کر حلال و حرام کا فرق بھول جانے والی نے میری ساری زندگی عذاب بنائے رکھی، نہ جانے یہ میرے کس گناہ کی سزا تھی۔ جسے میں نے پچیس سال بھگتا...... اور اب...... اب بڑھاپے میں میرے اکلوتے بیٹے نے میرا منہ کالا کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔'' شاکر حسین آبدیدہ لہجے میں بول رہے تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے...... ان کی باتیں زویا کو اندر سے چیر رہی تھیں...... ایک دو جگہ موٹر سائیکل لڑکھڑائی تھی مگر بروقت شاکر حسین سنبھل

جاتے...... انہیں چکر آرہے تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر زویا دل ہی دل میں خیر و عافیت سے گھر پہنچنے کی دعائیں مانگ رہی تھی...... وہ ریزیڈینشل ایریا سے نکل کر مین روڈ کی طرف جارہے تھے جب شاکر حسین کو شوگر لو ہونے کی وجہ سے ایسا شدید چکر آیا کہ ان سے موٹر سائیکل بے قابو ہو کر سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکرا گئی...... جس کے نتیجے میں شاکر حسین اور زویا سڑک پر جا گرے تھے...... زویا کے گھٹنوں اور بازوؤں پر چوٹ آئی تھی جبکہ شاکر حسین کا سر سڑک پر لگنے کی وجہ سے ان کے دماغ پر کوئی اندرونی چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے تھے...... وہ ہیلمٹ بھی نہیں پہنے تھے۔

''ابا...ہوش میں آئیں ابا۔'' زویا اپنی تکلیف بھول کر ان کی طرف لپکی تھی اور چیختے ہوئے انہیں جھنجوڑنے لگی تھی مگر وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو چکے تھے۔

اسی اثنا میں اس قیمتی گاڑی کا پاور ونڈو شیشہ نیچے ہوا تھا۔

''الو کے...... اندھے ہو گیا......؟ موٹر سائیکل کیا آنکھیں بند کر کے چلاتے ہو؟'' ڈرائیور نے بے ہوش پڑے شاکر حسین کو گالیاں دیں۔

''چھوڑو فیاض...... یہ غریب لوگ ہوتے ہی ایسے ہیں...... یہ (گالی) چیٹر ہوتے ہیں...... یہ لوگ جان بوجھ کر ہم جیسوں کی گاڑیوں سے ٹکراتے ہیں تاکہ ہم سے ہمدردی کے طور پر پیسے وصول کر سکیں۔'' وہ امیر زادہ جو کوئی بھی تھا نہایت غصے اور تنفر میں ان دونوں کو سخت سست سنا رہا تھا۔

زویا دوڑ کر گاڑی کے قریب آئی تھی۔

''سر پلیز...... پلیز میرے والد کو کسی قریبی اسپتال پہنچا دیں...... ہمیں کچھ نہیں چاہیے پلیز سر صرف میرے والد کو...... دیکھیں ان کی حالت سیریس ہے...... سر پلیز...... ہماری مدد کریں۔'' زویا روتی ہوئی اس مغرور شخص کے آگے ہاتھ جوڑ کر مدد کی درخواست کر رہی تھی۔

''ہیلپ......؟ مائی فٹ...... فیاض گاڑی آگے بڑھاؤ...... دیر ہو رہی ہے ہمیں۔'' اس شخص نے رعونت بھرے لہجے میں اپنے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کو کہا تو زویا گاڑی کے دروازے کے پاس کھڑی اس شخص سے التجائیں کرنے لگی۔

''سر پلیز...... میرے والد کی حالت سیریس ہے، انہیں ہوش نہیں آرہا خدا کے لیے...... میری مدد کریں...... پلیز...... میرے والد کو صرف کسی قریبی اسپتال پہنچا دیں۔'' زویا زار و قطار رو رہی تھی فریاد کر رہی تھی۔

''صاحب اسے تھوڑے سے پیسے دے دیں...... اور جان چھڑائیں۔'' ڈرائیور نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے اپنے جھنجلائے ہوئے مالک کو مشورہ دیا۔ انہوں نے والٹ نکالا...... پانچ، پانچ سو کے اور ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر گاڑی کے شیشے سے تھوڑا ہاتھ باہر لے کر زویا کو دینے چاہے...... مگر زویا نے وہ پیسے نہیں پکڑے تھے۔ اس شخص نے وہ پیسے زویا کی جانب اچھال دیے تھے...... اور گاڑی کا پاور ونڈو شیشہ بند ہو گیا تھا۔

''فیاض بہت ہو گیا یہ تماشا...... گاڑی آگے بڑھاؤ ہمیں دیر ہو رہی ہے، یہ لڑکی بلاوجہ ہمارا ٹائم ویسٹ کر رہی ہے۔'' ڈرائیور نے سر ہلایا اور گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ زویا وہیں کھڑی رو رہی تھی۔ نوٹ سڑک پر بکھر چکے تھے، وہ شاندار گاڑی زویا کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی...... وہ دوڑ کر ایک بار پھر سڑک پر بے ہوش پڑے باپ کی طرف لپکی...... وہ چیخ چیخ کر انہیں جھنجوڑتے ہوئے آوازیں دے رہی تھی۔''

''ابا...... ابا ہوش میں آئیں۔'' آہستہ آہستہ اس کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا...... کچھ لوگ

سڑک سے نوٹ اٹھانے میں مصروف تھے کسی نے شاکر حسین کے لبوں سے پانی کا گلاس لگایا تھا اور کسی نے فون کر کے ایمبولینس منگوائی تھی۔
ایمبولینس کے آتے ہی لوگ شاکر حسین کو اسٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس میں لے جانے لگے...... انہیں فوری طور پر آکسیجن لگادی گئی تھی۔
زویا اب ساکت و جامد...... ایمبولینس میں اپنے باپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں سے سسکیاں نکل رہی تھیں اور نظریں زخمی باپ پر جمی ہوئی تھیں...... وہ پھٹی، پھٹی نگاہوں سے باپ کے بے جان وجود اور زرد چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

اسجد اور سارہ ہمیشہ کسی کیفے میں...... کسی پارک یا کسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں ملتے تھے مگر اس بار اسجد نے سارہ کو اپنی محبت کی قسمیں دے کر اسے اپنے گھر آنے کو کہا تھا...... شاید وہ سارہ کو اپنی ماں سے ملوانا چاہتا تھا۔ اسجد نے سارہ کو کالج سے پک کرلیا تھا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ ایک درمیانے درجے کے رہائشی علاقے میں داخل ہو چکے تھے سارہ نے چہرے پر نقاب چڑھا رکھی تھی، تھوڑی دیر بعد وہ ایک گھر کے سامنے رک گئے تھے۔ اسجد نے جیب سے چابی نکال کر گیٹ کا لاک کھولا...... سارہ نے حیرت سے اسجد کو دیکھا۔
''آپ کی امی گھر پر ہیں تو آپ ایسے لاک کیوں کھول رہے ہیں......؟ آپ سیدھی طرح ڈور بیل دے دیتے؟''
''میری جان...... میری معصوم سارہ اسجد...... امی کا جب سے بائی پاس ہوا ہے وہ بار، بار اٹھ کر دروازہ نہیں کھول سکتی ہیں...... اس لیے ابو نے اور میں نے الگ، الگ گیٹ کی چابی اپنے پاس رکھی ہوئی ہے...... امی کو گیٹ پر آنا نہیں پڑتا اور ہم دونوں آسانی سے چابی لگا کر اندر آجاتے ہیں......'' اسجد نے اسے تفصیل بتائی اور اسے اندر لے آیا۔
''آپ کے گھر میں کتنی خاموشی ہے ناں......؟'' گھر کے اندر خاموشی کا راج تھا...... سارہ کو حیرت ہوئی۔
''ہاں خاموشی تو ہے...... عنقریب اس خاموشی کو ہمارے بچے اپنی قلقاریوں سے توڑ دیں گے۔'' اسجد نے سارہ کو اپنے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کی تو سارہ جھینپ گئی۔
''کیا کر رہے ہیں آپ...... چھوڑیں مجھے، آپ کی امی نے دیکھ لیا تو کیا سوچیں گی وہ......؟'' سارہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔
''تمہیں ہمیشہ لوگوں کا ڈر ستاتا رہتا ہے کہ فلاں نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔'' اسجد نے مصنوعی خفگی سے سارہ کو دیکھا۔
''اچھا اب چھوڑیں ان باتوں کو...... اب اندر بھی چلیں......'' سارہ نے اسے یاد دلایا۔
''ہاں بھئی چلو......'' اسجد نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے گھر کے اندر لے آیا...... گھر کے اندر بھی اسی طرح خاموشی کا راج تھا۔
''آپ کی امی کہاں ہیں اسجد......؟'' سارہ نے ٹی وی لاؤنج پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
''میں دیکھتا ہوں...... امی اپنے کمرے میں ہوں گی۔'' اسجد ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
سارہ صوفے پر بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی...... اسے اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا۔ عنقریب اسے اس گھر پر حکمرانی کرنا تھی...... اب وہ اٹھ کر دیواروں پر لگی فریمڈ فیملی تصویریں دیکھنے لگی تھی۔

''یار تم ابھی تک کھڑی ہو، بیٹھ جاؤ میری جان۔'' وہ اسجد کی آواز پر چونک کر مڑی۔
''تمہاری امی......؟''
''میری جان ایک مسئلہ ہو گیا ہے......'' اسجد کچھ پریشان سا دکھائی دیا۔
''کیسا مسئلہ......؟'' وہ حیران ہوئی۔
''امی گھر پر نہیں ہیں، میں نے چونکہ انہیں تمہاری آمد کا بتایا نہیں تھا دراصل میں تمہیں یہاں اچانک لا کر سرپرائز دینا چاہتا تھا امی کو...... لیکن امی چھوٹی خالہ کی طرف گئی ہوئی ہیں...... میں نے ابھی انہیں فون کیا ہے...... تو مجھے پتا چلا کہ امی تو ایک گھنٹا پہلے ہی گھر سے نکلی ہیں اب اتنی جلدی ان کی واپسی ممکن نہیں ہے۔'' وہ شرمندہ سے انداز میں سارہ کو تفصیل بتا رہا تھا۔
''کوئی بات نہیں اسجد...... آپ پریشان نہ ہوں...... میں پھر کبھی آ کر ان سے مل لوں گی۔''
سارہ نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔
''تم...... تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئی ناں......؟'' اسجد نے محبت سے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔
''نہیں اسجد میں بھلا آپ سے کیوں ناراض ہوں گی؟'' سارہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔
''تھینکس گاڈ، تم خفا نہیں ہوئی ہو مجھ سے۔'' اسجد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''اسجد اب ہمیں چلنا چاہیے...... آپ کی امی بھی گھر پر نہیں ہیں۔''
''ہاں چلتے ہیں میری جان...... پہلے اپنا یہ گھر تو دیکھ لو...... جہاں تمہیں میری دلہن بن کر آنا ہے۔'' اسجد نے محبت بھرے انداز میں فرمائش کی تو سارہ مسکراتے ہوئے سر ہلا گئی۔ پھر اسجد اس کا ہاتھ تھامے اسے گھر دکھانے لگا...... بلاشبہ اسجد کا گھر شاندار فرنیچر خوب صورت پردوں اور سلیقے کے ساتھ رکھی گئی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ آخر میں وہ اس کا ہاتھ تھامے ایک کمرے میں لے آیا۔
''یہ تمہارا اور میرا بیڈروم ہے۔ ہماری محبت بھری زندگی کی آرام گاہ......''
اسجد نے محبت سے سارہ کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بتایا تو وہ بلش ہو گئی...... ڈبل بیڈ کی پچھلی دیوار پر اسجد کی ایک بڑے سائز کی ہنستی مسکراتی تصویر آویزاں تھی۔
''سارہ اس جگہ پہ ہم اپنی شادی کی تصویر لگائیں گے...... اور اس دیوار پر ہم اپنے ہنی مون کی تصویر لگائیں گے اور یہاں پر......''
وہ سارہ کو اپنی بانہوں میں لیے دروازے کی طرف پلٹا...... ''یہاں پر اس دروازے پر ہم اپنے بچے کی پینا فلیکس تصویر لگائیں گے...... کیا خیال ہے تمہارا؟'' اسے اپنے کان کے قریب اسجد کی سرگوشی سنائی دی...... سارہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا...... شرم سے اس کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔
''اسجد اب چلیں ناں...... ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' سارہ نے ٹاپک بدلا۔
''تمہیں ہمیشہ جانے کی جلدی ہوتی ہے بس آج تم میری مرضی سے واپس جاؤ گی۔'' اسجد نے فرمائش کی۔
''مگر اسجد پلیز ایسا......'' سارہ نے کچھ بولنا چاہا تو اسجد نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
''سارہ میری جان......! کیا تم تھوڑا سا ٹائم میرے ساتھ میرے اس غریب خانے میں نہیں گزار سکتیں؟ جب تک ہماری شادی نہیں ہوتی...... تب تک میں اس کمرے میں تمہارے ساتھ گزرے اس وقت کو یاد کر کے آنے والے دن گزارتا رہوں گا...... پلیز سارہ...... میری خاطر...... تھوڑی دیر اور رک جاؤ۔'' اسجد کے لہجے میں

بے پناہ محبت تھی...... التجا تھی فریاد تھی...... فرمائش تھی۔ سارہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہے اب اگر اس مہمان کو روک ہی لیا ہے تو اس کی خاطر مدارات بھی تو کرو......'' سارہ کی بات پر وہ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اسجد نے بڑے سائز کی ٹرے (جس میں کئی لوازمات رکھے ہوئے تھے) سینٹرل ٹیبل پر رکھی اسجد نے جوس کا گلاس سارہ کی طرف بڑھایا...... اور خود بھی گلاس لے کر سارہ کے پاس بیٹھ گیا۔

''اسجد اس کا ٹیسٹ تھوڑا ڈیفرنٹ ہے۔'' سارہ جوس کا آدھا گلاس ہی پی سکی تھی۔

''میری جان یہ امپورٹڈ جوس ہے، اس کا ٹیسٹ ڈیفرنٹ ہوتا ہے ناں...... تم پیو ناں...... رک کیوں گئیں؟'' اسجد نے وضاحت دی اور خود بھی مشروب پینے لگا۔

''سارہ یہ کٹلس اور چکن رول امی نے بنائے تھے...... چکھو تو سہی...... تم تو کچھ بھی نہیں کھا رہی ہو؟''

''جب میں آپ کے ساتھ ہوتی ہوں تو مجھے بالکل بھی بھوک نہیں لگتی، آپ کی محبت کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا مجھے۔'' سارہ نے خالی گلاس ٹرے میں رکھا۔ اسجد بھی گلاس خالی کر چکا تھا۔

''سارہ کبھی، کبھی مجھے اپنی قسمت پر رشک آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اس دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان ہوں جسے اپنی محبت کے بدلے میں اتنی محبت ملی ہے۔'' اسجد نے محبت سے چور لہجے میں اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ اس کے بے پناہ قریب تھا اتنا کہ اس کی سانسیں سارہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں...... سارہ کی نظریں خود بخود شرم سے جھک گئیں۔

اسجد نے دھیرے سے اس کے سر سے چادر ہٹادی...... اب اس کا ہاتھ سارہ کے بالوں میں گردش کر رہا تھا...... پھر دھیرے سے اسجد نے اس کا کیچر بالوں سے اتار دیا...... سارہ کے ریشمی سیاہ بال اس کی کمر پر بکھر گئے۔ آہستہ آہستہ وہ بہکنے لگا۔

''اسجد...... اب بہت دیر ہوگئی ہے...... ہمیں چلنا چاہیے۔'' اگلے ہی لمحے سارہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسجد نے اسے کلائی سے پکڑ کر دوبارہ اپنے پاس بٹھالیا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے میری جان؟ مجھے اور میری محبت کو اپنے حسن سے سیراب ہو لینے دو۔'' اسجد نے اس کی چادر ہٹانی چاہی۔

''اسجد یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں؟'' سارہ کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا تھا...... اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

''کم آن میری جان، تم خواہ مخواہ ڈر کیوں رہی ہو؟'' اسجد اس کے قریب تر تھا۔

''اسجد...... یہ...... کک...... کیا......'' سارہ کی سانسیں اتھل پتھل ہوئیں۔

''شش...... اب اور کوئی بات نہیں......'' اسجد نے مخمور لہجے میں اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

سارہ نے آخری بار اس کا حصار توڑنے کی کوشش کی مگر جلد ہی اسجد کی محبت نے بے بس کر دیا تھا۔ اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد سارہ کا سر نیند سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

(جاری ہے)